بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

آج ۱۲ دسمبر کو جب راقم ان سطور کے لکھنے کا آغاز کر رہا ہے، وہ وقت قریب آگیا ہے کہ مارشل لا اپنی تلوار نیام میں ڈال کر اپنے بھاری بوٹوں کی کھٹ کھٹ کے ساتھ اباؤٹ ٹرن کر جائے اور ۱۹۸۶ء سالِ جمہوریت قرار پائے۔ خدا کرے کہ کوئی ایسی صورت واقع نہ ہو جس پر یہ ضرب المثل چسپاں ہو سکتی ہو کہ "آسمان سے گرا، کھجور میں اٹکا"۔

سیاست کی تجدید اور جمہوریت کی بحالی کے اس مرحلے میں سیاسی جماعتوں کے احیاء کا مسئلہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ چنانچہ حکومت نے پولیٹکل پارٹیز ایکٹ[1] کو ترمیم کے رندے سے چھیل چھال کر (اچھی یا بُری صورت میں) تیار کر دیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں سیاسی جماعتوں کی بحالی کا امکان بہت نمایاں ہے۔

جماعتِ اسلامی کی نظریاتی و تنظیمی ساخت ہی کچھ ایسی ہے کہ آپ اگر اس مشینری کے تمام اجزا

---

[1] ہمارا نقطۂ نظر شروع سے یہ رہا ہے کہ تجارتی فرموں کی طرح پارٹیوں کو رجسٹریشن کا پابند کرنا اور ان کے نظامِ کار اور نظامِ مالیات کے متعلق حکومت کے کسی محکمے کا معلومات حاصل کرنا جب کہ حکومت خود ایک جانبدار سیاسی فریق ہے اور اسے بھی کسی نہ کسی پارٹی کے ذریعے چلنا ہوتا ہے، ہمارے لیے اور ملک و قوم کے لیے قابلِ قبول نہیں ہے۔ حالات کی مجبوری کے تحت رجسٹریشن کرائی گئی تھی۔

کو الگ الگ کر کے کئی برس تک بکھرا رہنے دیں تو بھی ان تمام پرزوں کے درمیان کوئی ایسا مخفی تجاذب ہے کہ ایک اشارہ ملتے ہی یہ ہر طرف سے لپک کر اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ اور ایک ایک کیل اپنی جگہ اس طرح کام کرنے لگتا ہے، گویا کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔ اس میں بڑا دخل اس بات کو بھی ہے کہ قانوناً افراد کا تنظیمی رشتہ تو پوری طرح باقی نہیں رہتا، لیکن اُن کے نظریات و افکار اور ان کے اخلاق و کردار اور ان کی دینی و سماجی خدمات کی صورت میں وہ تحریک ماحول میں موجود رہتی ہے جو انہیں ایک دوسرے سے مربوط کرنے والی اصل قوت ہے۔ اور اس تحریک کی نورانی روح توحید ہے، یعنی خدا کی ذات و صفات کا وہ صحیح تصور جس سے ساری زندگی الٰہ واحد کی عبادت اور طاغوتی قوتوں سے بغاوت بن جاتی ہے۔

مارشل لا کی طویل شبِ جبر کاٹنے کے بعد نہضتِ جدیدہ کی صبح ہمارے سامنے ہے۔ اگرچہ ابھی مشکلات اور پیچیدگیاں باقی ہیں، مگر آگے بڑھنے کا راستہ کھلا ہے۔ سو یہ لمحہ جب کہ کسی نہ کسی شکل میں دستوری جمہوریت نمودار ہو رہی ہے آپ کے لیے اور دین و ملک کے لیے مبارک ہو۔ نئے دور کا آغاز ہمیشہ نئے عزم سے ہونا چاہیے۔ پس ایک مرتبہ دلوں میں میثاقِ ایمان کی تجدید کر کے، اپنے نصب العین پر نگاہیں مرتکز کر لیجیے اور خدا و رسولؐ کے احکام، اپنے دستوری اور تنظیمی فیصلوں، اپنی تحریکی روایات کی روشنی اور اللہ تعالیٰ سے نصرت و تائید کی دعاؤں کے ساتھ پہلے سے تیز تر جادہ پیمائی کا آغاز کر دیجیے۔ خدائے قادر و توانا اس معرکہ غلبۂ حق میں ہم آپ سب کا حامی و ناصر ہو۔

میں اس امر سے پوری طرح آگاہ ہوں کہ پچھلے دور "کالعدم میت" میں جماعتی ہیئت سے محروم ہونے کے باوجود، فرد فرد ہو کر بھی آپ نے خدا اور رسولؐ کو مرکزِ دل و نگاہ بنا کر اپنے آپ کو اس مرکز کے گرد جمع رکھا۔ نیز خدمتِ دین اور فلاحِ ملت کے لیے جن محدود دائروں میں بھی ممکن ہوا نہایت دقیع کام سرانجام دیئے۔ الحمدللہ کہ اقامتِ دین کی دعوت بھی ایک وسیع لٹریچر کی موجودگی کی وجہ سے آہستہ آہستہ پھیلتی رہی۔

لیکن یہ تلخ حقیقت نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ مارشل لا کے تسلط اور جماعتی کالعدمیت نے ہماری دینی و سیاسی سرگرمیوں کو بھی اور ہمارے معیارات کو بھی بہت نقصان پہنچایا ہے۔ یہ ایک اجتماعی حادثہ تھا جس سے آپ بچ تو ضرور نکلے لیکن کچھ نقصانات اور کچھ زخموں کے ساتھ۔ ان نقصانات کی تلافی اور ان زخموں کا اندمال اشد ضروری ہے۔ ان سے آنکھیں چرانا سخت نقصان دہ ہوگا۔

جماعت کے "دورِ کالعدمیت" میں مارشل لا نے انتہائی شدید نقصان ہمیں پہنچائے ہیں۔ مناسب ہوگا کہ ان پر ایک نظر ڈال لی جائے۔ اوّلین ناخوشگوار تجربہ جس کا کرب زیادہ محسوس ہوتا ہے، وہ یہ ہے۔

نفاذِ اسلام کے نام پر ٹھیک انہی اصطلاحات اور ویسے ہی جملوں اور سلوگنوں کو بکثرت استعمال کیا گیا جو ہماری دعوت و تحریک کی ترجمانی کرتے تھے۔ مگر ان اصطلاحات اور جملوں کو نمائشی طور پر بول کر عملاً جو کارروائیاں کی گئیں وہ خودِ اسلام کے خلاف فضا تیار کرنے کا باعث بنیں۔ بعض اقدامات بالکل غلط، بعض ناقص اور ادھورے، بعض قول و فعل کے تضاد کے آئینہ دار، بعض کے لیے مخالفِ اسلام شخصیتوں کی سربراہی، ملکی اور فوجی عدالتوں کی قانونِ شریعت سے آزادی، ایسے دوہرے عدالتی نظام کے ساتھ شرعی عدالتوں کی پَخ، مالیاتی معاملات اور سودی بنکنگ کا کتاب و سنت کے احکام سے استثنیٰ وغیرہ احوال نے نفاذِ اسلام کا ایسا یاس انگیز تجربہ پیش کیا کہ ہم نے رائے عام کو تیار کرنے کا جو کام برسوں کی محنتوں سے کیا تھا اُسے شدید نقصان پہنچا۔

ہم چونکہ اپنی پوری تنظیمی اور تحریکی قوت کے ساتھ میدان میں موجود نہ تھے، لہٰذا بیوروکریسی نے ذرائع حکومت اور دانشوروں اور فن کاروں نے ذرائع ابلاغ[1] دونوں طاقتوں سے بھرپور

---

[1] ذرائع ابلاغ کے کارناموں پر ذرا تفصیل سے لکھنا چاہتا تھا۔ مگر اندازہ ہوا کہ مضمون (باقی بر صفحہ آئندہ)

کام لے کر لادینیت کی اُس مخالفِ اسلام تحریک کو زندہ کرنے کی کوشش کی جو پاکستان کے ابتدائی سالوں میں خوب اچھی طرح کچلی جا چکی تھی۔ یہاں تک کہ مارشل اصغر خاں نے لادینی ریاست پر پوری ایک کتاب لکھ ڈالی۔ اور لادین سیاست کے خداوندوں کے ایک بڑے مرکز نے لندن میں اس کی تقریب منعقد کرائی۔ ان کے مخبیس کا خلاصہ یہ ہے:۔ "مسلم حکومت ـــــ بلا اسلام" ـــــ اس طرح اسلام کے خلاف انتشارِ فکری کا گڑا مُردہ پھر قبر پھاڑتا اور کفن سرکاتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا۔ انتہائی جزوی، ناقص اور پُرتضاد اسلامائیزیشن کے زیرِ سایہ اس ملک میں علماء اور دینی گروہوں میں طرح طرح کے اختلافات اس کثرت سے اور ایسی شدت اور صدم ضد کے ساتھ اُبھرے کہ اُن کا کسی مشترک مقصد کے لیے سر جوڑ کر بیٹھنا اور قدم ملا کر چلنا ممکن نہ رہا۔ فحاشی کا مسئلہ اُٹھا، رجم کی بحث چھڑی، ادبیت پر مضامین کا سیلاب اُٹھا۔ اسلام کے فوجداری قانون میں عورت کی شہادت پر نزاعی آوازیں اُٹھیں، "مرد و زن دوش بدوش" کے عنوان سے مخلوط معاشرت کے نعرے گونجے، کھیلوں کی زنانہ ٹیموں نے پہلے اندرونِ ملک مرد تماشائیوں کے سامنے مظاہرہ "ترقی" کا آغاز کیا اور پھر بین الاقوامی مقابلوں میں شرکت کے لیے پُرزور تحریک شروع کی ـــــ ایسے ہی کئی اور شگوفے اُٹھے، مگر کسی معاملے میں یہ نہ ہو سکا کہ حالیہ مارشل لا سے قبل کے کئی سالوں کی مثالوں کے مطابق علماء یک جا بیٹھ کر اپنی کوئی متفقہ آواز بلند کرتے ـــــ بدقسمتی سے اُلٹا یہ ہوا کہ مختلف الخیال دینی حلقوں نے اپنی اپنی قوت کا مظاہرہ کرنے کے لیے اپنے علماء کے اشاروں پر ایک دوسرے کے مقابلے میں

(بقیہ حاشیہ صفحۂ سابقہ)

بہت پھیل جائے گا۔ اتنی بات اشارۃً کہہ دینا ضروری ہے کہ ذرائع ابلاغ کے نشری اور اشاعتی اقتباس سامنے رکھ کر ثابت کیا جا سکتا ہے کہ اسلام کے مختلف مسائل پر اہل اور نا اہل لوگوں کی طرف سے باہم دگر ٹکرانے والی رنگا رنگ باتیں اس طرح لائی گئیں کہ اسلامی نظامِ اعتقاد و فقہ کے متعلق لوگوں کے ذہن پراگندہ ہو جائیں۔ دین کے خلاف سرکش رجحانات کو خوب اچھالا گیا اور علاوہ ازیں اسلام کے عائلی نظام اور اس کے قانونِ حجاب کے خوب خوب پرخچے اُڑائے گئے۔

بڑے بڑے اکھٹے کیے۔

اس صورتِ حال نے مجموعی طور پر دین کے غلبہ و فروغ کی ہر اس کوشش کو مجروح کیا جو کسی بھی حلقہ کی طرف سے ہو رہی تھی۔

اسی خرابیٔ احوال کا نتیجہ ہے کہ پاکستان کی مجموعی دینی فضا کے زیر اثر حکمرانوں نے جس طرح قرارداد مقاصد پاس کی، اپنی پیش کردہ دستوری سفارشات کو واپس لیا اور علماء کی مرتب کردہ ترامیم کے مطابق نئی سفارشات تیار کیں اور نئی سفارشات کی اساس پر ۱۹۵۶ء کا دستور بنایا، آج صورتِ حالات اس کے برعکس یوں ہے کہ حکومت نئی دستوری ترامیم میں اسلام کو کمزور سے کمزور شکل میں جگہ دینے اور اس سلسلے کی عملی ذمہ داریوں میں تاخیر و التوا کی وسیع گنجائش رکھنے میں نہایت درجہ جسور ہے۔

دینی محاذ کے ساتھ ساتھ سیاسی محاذ بھی کمزور ہو گیا۔ یہاں بھی ایسا افتراق پھیلا کہ ایک ایک لیڈر اور ایک ایک جماعت نے مختلف مسئلوں میں نہ صرف اختلافی آرا قوم کے سامنے رکھیں، بلکہ بار بار موقف بدل کر اپنے وقار کو کم کیا اور عوام میں انتشار پھیلایا۔ بھانت بھانت کی بولیاں سنتے سنتے عوام کا اعتماد سیاسی قیادتوں سے ہٹتا گیا۔ پھر جب وہ کمزور ہو گئیں تو انہوں نے ایک ایسا گٹھ جوڑ بنایا جو حکومت اور عوام دونوں کی نگاہوں میں ان کی وقعت کم کرنے کا باعث ہوا۔ مارشل لا حکومت نے اپنی مضبوطی کے لیے یہی چاہا تھا اور لیڈروں نے یہی کر دکھایا۔

اسی مجموعی خرابیٔ احوال کا ایک اثر یہ بھی ہوا ہے کہ افغانستان کے متعلق روسی لابی کے نقطۂ نظر نے اپنی راہ اس طرح بنالی ہے کہ "دماغ میرا ہے، بات اُن کی" والی صورت ہے، بلکہ بھارتی لابی بھی زیادہ موثر طور پر کام کر رہی ہے۔ علاوہ ازیں علاقائیت اور صوبائیت کے تعصبات کو پرانے ماہر لیڈر ہوا دے رہے ہیں جس کے نتیجے میں کبھی چشمہ لنک کینال کو کھولنے پر ہنگامہ ہوتا ہے، کبھی کالا باغ ڈیم کی مخالفت ہوتی ہے، کبھی بجلی کی لوڈ شیڈنگ کے علاقائی پروگراموں پر نزاع شروع ہوتی ہے۔ اور دوسری طرف اخلاقی پستی تیزی سے بڑھ رہی ہے، جرائم کا طوفان اُٹھ رہا ہے، لوگ کسی بھی مشترک مقصد سے محروم ہو کر اپنے اپنے مفاد و تعیش کے حصول میں مگن ہیں۔ نتیجہ یہ کہ اقتصادی اور مالیاتی ترقی یا اضافۂ دولت اور منصفانہ تقسیم دولت کے لحاظ سے ہماری رفتار سست

ہے ۔ نظریاتی اور اقتصادی دونوں پہلوؤں سے یہی نقشہ اگر چند سے اور رہا تو ہم اپنی مخالف قوتوں کے لیے نرم چارہ بن جائیں گے ۔ خدا نہ کرے ۔

یہ ہیں مارشل لا کے دور کے پیدا کردہ چند بڑے نقصانات جن کو سامنے رکھ کر ہمیں اس طرح کام کرنا ہے کہ ہم ایک بار پھر اُس مقام پر پہنچ جائیں کہ ہم مرکزِ توجہ تھے اور ہر کوئی اس کا منتظر رہتا تھا کہ یہ لوگ کیا کہتے ہیں اور کیا کرتے ہیں ۔ یعنی خواص و عوام کی ذہنی قیادت جب تک حاصل نہ کی جائے گی ہم دھیمی رفتار سے گھسٹتے رہیں گے ۔ اور اس زمانے کی تیز رفتار قوتیں ہمیں کچل کر آگے نکل جائیں گی ۔ اپنے سابق مقامِ اہمیت کو فوری طور پر حاصل کر لینا ہماری اوّلین ترجیح ہوگی ۔

مارشل لا نے بہت بڑا نقصان جو براہ راست ہمیں پہنچایا ، وہ یہ تھا کہ اس نے ہمیں ہماری تنظیمی فعالیت سے کئی سال کے لیے محروم کر دیا ۔ اس کے جو اثراتِ بد پڑے ہیں ۔ ان کو خاص طور پر نگاہ میں رکھنا ضروری ہے ۔

۱ ۔ مکمل فعال تنظیمی ہیئت اور پورے پورے تحریکی عمل کے موجود نہ رہنے کی وجہ سے مارشل لا کی جبریت نے دعوتِ حق کی توسیع اور تربیتی استحکام کی رفتار کو بہت کم کر دیا ۔

۲ ۔ کسی بھی با اُصول سیاسی جماعت اور خصوصاً منظم دینی تحریک کے لیے بار بار ایسے فیصلہ کن لمحے آتے ہیں جو فکری و سیاسی لحاظ سے تصادمی حالات پیدا کر دیتے ہیں ، لیکن مارشل لا کے ہوتے ہوئے چونکہ رائے عام کو منظم کرنا ، عوام کو اٹھانا ۔ ان کو منظم رکھنا اور ان کو غلط الفکر عناصر کے قبضے میں جانے سے بچانا بغیر ایک مضبوط نظامِ جماعت کے ممکن العمل نہیں تھا ۔ اس لیے اختلافات کے پُر زور اظہار کے باوجود سیاسی تصادم کا کوئی محاذ کھولنا مناسب نہیں سمجھا گیا ۔ اس کا نقصان یہ ہوا کہ ایک فعال نظامِ جماعت کی جس طرح صحت مندانہ نشو و نما جاری رہنی چاہیے ، وہ مارشل لا کے دور میں کما حقہٗ جاری نہ رہ سکی ۔

۳ ۔ قوم جو ایک طرف مارشل لا کی آزمائش سے دوچار تھی ، دوسری طرف اس کے اندر انتہائی تخریبی طریق کار کے علمبردار عناصر زور پکڑنے لگے جن کی پیش قدمی کے معنی مارشل کا طول پکڑنا

تھا ۔ ہماری نگاہ ملک کے بیرونی دشمنوں کی مفسدہ انگیزیوں پر بھی تھی ، خصوصاً مجاہدین و مہاجرین افغانستان کے مسائل انتہائی اہم اور نازک تھے ، چنانچہ ان گوناگوں پیچیدگیوں کے درمیان گھر کر ہم اور ہمارے ہم خیال احباب اور سابق شرکائے جماعت ہر اہم موقع پر غور و فکر کرنے کے بعد بہت ہی پھونک پھونک کر قدم اٹھاتے ہوئے برابر اس کاوش میں رہے کہ محبانِ اسلام اور محبانِ پاکستان کی طرف سے ملک کی سالمیت ، اور ملت کے اتحاد کو نقصان نہ پہنچے ، نیز تخریبی قوتیں عوام کے لیے پریشانی کا باعث نہ بن سکیں ۔

ظاہر ہے کہ مارشل لا کے تحت اتنی پیچیدگیوں کے درمیان تقریباً غیر منظم صورت میں جو کام ہوا ، اس کی نوعیت مطلوبہ معمول و معیار سے کچھ نہ کچھ مختلف رہی ۔ لیکن اب تبدیلیِ احوال کے بعد ہم نسبتہً بہتر فضا میں فیصلے کر کے اپنے مقصد کی راہ پر جرأت مندانہ اقدام کر سکیں گے ۔

۴ ۔ مکمل جماعتی انضباط اور مؤثر دعوتی اور سیاسی سرگرمیوں کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے افراد میں کچھ نہ کچھ ڈھیل پیدا ہو جاتی ہے ۔ ایسے حالات میں معاشی و مفادی سرگرمیاں اور تفریحات اور گھریلو دلچسپیاں بڑھ جاتی ہیں ۔ دعوت کے کام میں کمی آنے اور مسلسل عوام کے سامنے نہ جاتے رہنے اور احتساب کے ڈھیلا ہو جانے کی وجہ سے ایمانی ، تعبدی اور اخلاقی قوت گھٹ جاتی ہے ۔ جن اُصولوں ، ضابطوں ، روایات اور پروگرام کو لے کر ہم اٹھے ہیں اور جن کی پابندی کرتے ہوئے برسوں قربانیاں دی ہیں ، ان کے متعلق بعض افراد میں بڑی دھیمی رفتار سے پسپائی کا عمل شروع ہو جاتا ہے ۔ کاروبار کے دائرے میں ، حسابی نزاعات میں ، گھریلو احوال میں ، تفریحات کے دائرے میں ، مخالفانہ ثقافتوں کے قطعی ناجائز پہلوؤں کے بارے میں استقامت کے انقلابی رویے کے بجائے ماحول سے سمجھوتے کا انداز غالب آجاتا ہے ۔ چنانچہ اگر آپ اپنے ہی بنیادی لٹریچر کے اُصول و توضیحات اور صفاتی خاکوں اور ہدایات کو سامنے رکھ کر اپنا جائزہ لیں تو آپ کو کسی کے توجہ دلائے بغیر صحیح صحیح اندازہ ہو جائے گا کہ ہم کن کن پہلوؤں سے کتنا بدلے ہیں اور اس بدلنے میں کتنے پہلو ایسے ہیں کہ جن پر پسپائی کا اطلاق ہو سکتا ہے اور اس پیدا شدہ فرق کا کتنا بڑا حصہ مارشل لا کے دور کا مرہونِ منت ہے ، بلکہ تازہ زخموں نے ہمیں پچھلے سارے زخم بھی یاد دلا دیے ہیں ۔ اب اگر خدا توفیق دے تو نئے دور کا آغاز کرتے ہوئے ان زخموں کی رفوگری میں ذرا کوتاہی نہیں کرنی چاہیے ۔

۵۔ تنظیمی تعطل نے ہمیں باہمی تنقید کے اس عمل سے بڑی حد تک محروم کر دیا ہے جس کا جاری رہنا صحت مندانہ اسلامی نظام جماعت کے لیے اشد ضروری ہے۔ اب جرأت اور خوبصورتی سے تنقید کرنے کی تربیت کا اثر دھیما پڑ گیا ہے اور دوسری جانب اب ہم سب لوگوں میں تنقید کو ہنستے مسکراتے سننے اور کشادہ دلی اور پیار بھرے انداز سے جواب دینے یا اپنی غلطیوں اور کمزوریوں کا اعتراف کرنے کی صلاحیت بہت کم ہو گئی ہے۔ حتیٰ کہ تنقید کرنے والوں کو بسا اوقات اچھی طرح جھنجوڑ دیا جاتا ہے اور جس پر تنقید کی گئی ہو اُس کے دل میں ناقد کے خلاف مستقلاً گرہ پڑ جاتی ہے۔ اجتماعیت کی زندگی کا صحیح نشو و نما اُصولِ تنقید کے اجرا کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ ہم لوگوں کو اس کے لیے جلد سے جلد اپنی صلاحیتوں کو پورے معیار پر قائم کرنا چاہیے۔

۶۔ کوئی بھی قیادت بہترین قابلیت و صلاحیت کے باوجود اپنے ہم خیال حلقوں کے مکمل تنظیمی تعاون کے بغیر ماحول پر گہرا اثر ڈالنے کی پوری قوت کا مظاہرہ نہیں کر سکتی۔ مارشل لا ہمارے لیے اس لحاظ سے بھی مضر ثابت ہوا کہ ہماری صفِ قیادت کو پالیسیاں بنانے اور حالات پر اثر انداز ہونے کے لیے جو قوت درکار تھی وہ تنظیمی ہیئت کے تعطل کی وجہ سے برسرِ عمل نہ آسکی۔

اب وقت آگیا ہے کہ ہم مشورہ و تنقید کے اُصولوں کے ساتھ سمع و طاعت کا نظم انتہے شاندار طریق سے لے کر چلیں کہ ہمارے درمیان سے جو بھی افراد نمائندگی اور قیادت کے مناصب پر بیٹھیں اور پھر سب سے اُوپر جو بھی شخصیت امارت کی باگ ڈور سنبھالے وہ اپنے آپ کو قوی محسوس کرے اور اُسے اپنے متعلق اور جماعت کے متعلق پورا پورا اعتماد حاصل ہو۔ بحالیٔ جماعت کے ساتھ یہ صورت اگر عملاً کارفرما ہو گئی تو پوری جماعت اور امیرِ جماعت اور اس کے ساتھ ہر کارکن اپنے آپ کو زیادہ مضبوط سمجھے گا۔ پھر جو پالیسیاں بنیں گی اور جو فیصلے ہوں گے ان میں نئی توانائی ہو گی اور اس طرح حالات پر اثر اندازی بڑھ جائے گی۔

قوت کی دو قسمیں ہیں جو جماعتوں اور تحریکوں میں پائی جاتی ہے۔ ایک عددی قوت۔ دوسرے صفاتی یا رُوحانی یا اخلاقی قوت۔ سیاسی سرگرمیوں کے تقاضوں سے غیر محسوس طور پر ہمارے

اندر "عددی قوت" کو زیادہ اہمیت سے بڑھانے کا رجحان پیدا ہوا اور صفاتی قوت کا معیار کسی نہ کسی حد تک کم ہوا۔ حرکت و کشمکش کا عمل جو کسی تحریک کی جان ہوتا ہے اس کے لیے عددیت بھی اہم ہے مگر اصل قوت صفاتی قوت ہوتی ہے جو عددی قوت کو دس دس گنا تک بڑھا دیتی ہے۔ ہماری اساسی پالیسی، بلکہ امتیازی تنظیمی نقشہ برسوں سے اس اصول پر موسس تھا کہ اخلاقی و صفاتی قوت عددی قوت سے زیادہ اہم ہے۔ چنانچہ جماعت نے بارہا ایسے ارکان کو کاٹ کر الگ کر دیا جو کم سے کم درجے کے مقررہ دستوری معیار سے نیچے چلے گئے۔

آج از سر نو تنظیمی عمل شروع کرتے ہوئے ہمیں صاف صاف لوگوں کو محسوس کرانا چاہیے کہ یہ کوئی خاص "باڑہ" نہیں جس میں جو داخل ہو جائے وہ اس کا ہو کر رہ جائے، بلکہ یہ اسلامی نظامِ جماعت ہے جس کا چندہ چند عقیدوں، عبادات اور اخلاق و معاملات کو اختیار کرنا ہے۔ جو یہ نہ کر سکے وہ ایک پاکیزہ مقصد کے لیے کام کرنے والی خالص دینی جماعت میں آکر اسے تباہ یا کمزور کرنے کا باعث نہ بنے۔ اور اگر پہلے سے ایسے لوگ موجود ہوں تو یا تو وہ اپنی اصلاح کر لیں یا فی الحال متفق یا ہمدرد بن کر تعاون کریں۔ رکنیت کے معیار کو پست نہ ہونے دیا جائے۔ بہتر ہوگا کہ عہد نامۂ رکنیت کی ہر رکن تجدید کرے۔

با اصول اور با کردار لوگوں کی جماعت میں اگر تعدادِ افراد تھوڑی بھی ہوگی تو کام زیادہ اور بہتر ہوگا، لیکن اصول و کردار کی کمزوریوں کے ساتھ تعدادِ افراد اگر بہت زیادہ ہو تو باہم دگر اختلافات، اظہارِ بے اطمینانی، غیبت، تجوئی، عدمِ رازداری، غلط اعمال کا جماعت کے لیے باعثِ بدنامی ہونا، اجتماعی تقاضوں کے مقابلے میں ذاتی مفاد کو ترجیح دینا، یہ سارے وجوہ مل جل کر رفتارِ کار خراب کر دیتے ہیں۔

ہمیں اپنے اندر اس احساس کو از سر نو ابھارنا چاہیے کہ ہم اول و آخر اسلام کے مشنری، داعی، شاہد، نقیب اور انقلابی سپاہی ہیں۔ ہمارا سب سے بڑا کام لوگوں تک پہنچنا، عوام سے ملنا اور مخالفین کی غلط فہمیاں رفع کرنا ہے۔ بسوں، گاڑیوں، ہوٹلوں، دفتروں، ہسپتالوں،

درس گاہوں اور کارخانوں کے تمام اداروں میں گھس کر اپنا پیغام پہنچانا - پریس اور پلیٹ فارم سے آوازۂ حق بلند کرنا، ہر قسم کی علمی و ادبی اور صحافیانہ سرگرمیوں کے ذریعے کلمۃ اللہ کے نور کو پھیلانا، مکتوب نگاری اور مکالموں کے ذریعے خدا و رسولؐ کی واضح کردہ ہدایت کی طرف زیادہ سے زیادہ لوگوں کو متوجہ کرانا ہمارا اساسی اور دائمی پروگرام ہے۔

ہمارا کوئی بھی شخص دفتر چلاتے ہوئے، سودا سلف بیچتے ہوئے، خطوط لکھتے ہوئے ٹیلیفون کرتے ہوئے، کسی مجلس میں شرکت کرتے ہوئے، کسی سے کچھ لیتے اور کسی کو کچھ دیتے ہوئے اور اپنی زبان سے کچھ نکالتے ہوئے بھی بہ امر شدت سے ملحوظ رکھے کہ میں خدا کا مقرر کردہ شاہد و نقیب اور محمدیؐ انقلاب کا سپاہی ہوں اور میرے کردار میں ہر دوسرے آدمی کے لیے کشش ہونی چاہیے۔

متذکرہ بالا اساسی پروگرام کی رُوح ذکرِ الٰہی اللہ پر ایمان، اللہ سے محبت اور اللہ کی اطاعت ہے۔ توجہ رہنی چاہیے کہ اللہ کے ذکر کی کیا شرح ہماری روزمرّہ زندگی میں ہے۔ ہم کس تناسب سے خدا پرستی کی بنیادی دعوت کی طرف لوگوں کو پکارتے ہیں اور ہماری گفتگوؤں کا کتنا حصّہ خدا کے ذکر، خدا کے دین کی دعوت، خدا کے رسولؐ کی محبت، خدا کی کتاب کے بارے میں سعیٔ فہم، عبادت کی باہمی ترغیب و تحریص اور خدا پرستانہ انقلاب کی مساعی اور اس کے مراحل پر صرف ہوتا ہے۔ ہمارے اندر یہ احساس بھی شدت سے موجود ہونا چاہیے کہ ہماری دعوت اور ہمارے ذاتی اخلاق اور اجتماعی سرگرمیوں کے انداز میں کوئی تضاد باقی نہ رہ سکے۔

اپنا یہ صحیح مقام اگر ہم نے دورِ نو کا آغاز کرتے ہوئے پالیا تو ہم یک دل و یک نگاہ بھی ہوں گے، سرگرم اور متحرک بھی اور اطمینان سے بہرہ مند بھی۔

یہ حقیقت بھی نگاہوں سے اوجھل نہ ہو کہ ہم حالتِ جنگ میں ہیں۔ ہر باطل نظریے اور ہر فاسد تحریک و تہذیب جو ہم پر حملہ آور ہے اور ہر طاغوتی قوت جو ہمارا راستہ روکتی ہے اور پھر ہمارا بگڑا ہوا ماحول جو سیلابی ریلے کی طرح ہمیں نہ صرف آگے بڑھنے سے روکتا

چاہتا ہے بلکہ قدم بہ قدم پیچھے دھکیلنا چاہتا ہے، سب سے متعلق ہمارا پختہ انقلابی عزم ہونا چاہیے کہ ان مانع و مزاحم قوتوں کے دباؤ کا اثر ہم کبھی قبول نہ کریں گے - اور ایک جگہ جم جانا تو کجا، ہم دینِ حق کے جادۂ انقلاب پر مسلسل آگے بڑھتے جائیں گے - ہم اپنے دین کے ایک ایک اصول اور اخلاق کی ایک ایک قدر کو دانتوں سے پکڑ کر رکھیں - اور اپنی سہولت کے لیے حق اور نیکی کا کوئی ذرّہ بھی کسی دباؤ ڈالنے والی قوت کے قدموں پہ نچھاور نہیں کریں گے -

---

پس اگر ۱۹۸۶ء کا آغاز جماعتوں کی بحالی سے ہوتا ہے تو نئے عزائم کے ساتھ، تحریکی شعور کی تجدید کے ساتھ، عوام میں کام کرنے کے نئے نقشوں کے ساتھ، خدا سے اپنے معاملات کو بہتر بناتے اور اسلام کی اخلاقی پابندیوں کو اپنے اندر پوری طرح نافذ کرنے کے جذبے کے ساتھ اٹھیے اور میدانِ عمل میں نئے انداز سے اس طرح اقدام کیجیے کہ آپ اپنے تحریکی وجود کو حکومتی اور عوامی حلقوں میں اچھی طرح محسوس کرا دیں -

خدا ہم آپ سب کا حامی و ناصر ہو -

افسوسناک

رسالے کے طباعتی مرحلے میں بعض خبروں سے اندازہ ہوا کہ جمہوریت تو آئی مگر..... شانِ فحاشی کے ساتھ! ـــ ۱۵ اور ۲۲ دسمبر کو ٹیلی ویژن پر ایک مکروہ "فیشن شو" میں زنانہ جسموں کے ہر پہلو کی نمائش کی گئی - اہم یہ کہ دوپٹے سروں سے غائب تھے - عشق و عاشقی کی کہانیوں میں تصوراتی رنگ کے بجائے اب حقیقی انداز آ رہے ہیں - رقص و سرود کی متروک روایت تازہ کی گئی ہے - سالانہ مخلوط "قومی میلے" میں "ثقافت" نے خوب نخرے دکھائے، وزیر اعظم جنیجو صاحب نے فن کاروں کو سندات اور انعامات دیئے، جن میں سے ذہیب صاحب نے "آؤ کریں پیار" کا لچر گانا گایا -